Oriental College Magazine, Vol.101, No. 01, Serial No. 379, 2025

افسانہ کے اردو تراجم کی روایت میں سہ ماہی "صحیفہ" کا کردار

اسد محمود خان، پی ایچ ڈی

صدرِ شعبۂ اردو، منہاج یونیورسٹی، لاہور

THE CONTRIBUTIONS OF THE QUARTERLY SAHIFA TO THE TRADITION OF URDU FICTION TRANSLATIONS

Asad Mehmood Khan, PhD
Chairman Department of Urdu
Minhaj University, Lahore

Abstract

Creative works stand out within literature’s vast treasury, esteemed by figures like Wordsworth, who contended that such works should rise above critical dissection. Scholars like West have similarly asserted that original works hold primacy over translated ones. Nevertheless, translations play a vital role in connecting language barriers and revealing fresh literary landscapes, a truth that cannot be ignored. Urdu literary journals have been central to advocating this mission from the twentieth century onward. Among these, Sahifa emerges as a pioneering force. Since its debut edition, which included a French short story translation, to its modern issues, the journal has steadfastly elevated translations, solidifying them as foundational to its ethos. This article examines Sahifa’s significant impact on Urdu’s translation legacy, specifically within short-story narratives. By translating works from French, Russian, English, Irish, Norwegian, Turkish, Persian, Bengali, and Sindhi, the journal has brought Urdu audiences classic and contemporary authors alike—ranging from obscure talents to literary icons. Through projects such as Angarey, Sahifa has amplified Urdu’s literary richness while cultivating a worldwide exchange, demonstrating that translation, though secondary to creation, remains its essential counterpart.

Keywords:
Translations, Journals, Urdu, literature, Classic, Sahifa, Cultural exchange, Persian.

تخلیق، تجربے اور تخیل کے اظہاریے کا فن ہے جب کہ اظہاریہ، احساس اور خیال کی باہمی وارفتگی دراصل ادراک کی تفہیم تک رسائی کا معاملہ ہوتا ہے۔ احساس کے دامن میں تین بنیادی عناصر شامل ہیں: باطنی تجربہ، نفسیاتی ردِ عمل، طرزِ عمل یا اظہاری ردِ عمل، جو مل کر شدتِ جذبات کے درمیان اظہار کی صورت بناتے ہیں۔ باطنی تجربہ ایک زاویہء نگاہ کی تصویر سے محبت، نفرت، حدت، شدت، لذت، ندرت، اجرت، ہجرت، قدرت، حسرت، صورت، عورت، حیرت اور شہرت کی تعبیر تک یا کہیں کہیں اِس سے بھی زائد کا مرحلہ ہوتا ہے جو اظہار کی پہلی خواہش اور کوشش کا قضیہ نبیڑتا ہے۔ احساس اور خیال کی باہمی وارفتگی پروَا ہونے والی ادراک کی کھڑکی کا پہلا منظر نفسیاتی ردِ عمل، طرزِ عمل یا اظہاری ردِ عمل کی تخلیق ٹھہرتی ہے جو تخلیق کار کی شدتِ جذبات کا حاصل ہوتی ہے۔ جس طرح تجربے کا میدان وسیع ہوتا ہے، اُسی طرح تخیل اور تخلیق کا میدان بھی ایک بحرِ بیکراں کی صورت تخلیق کار کے سامنے کھلتا اور بڑھتا ہُوا دکھائی دیتا ہے۔ راحیل فاروق "تخلیقِ فن: ایک نامیاتی نظریہ" میں لکھتے ہیں:

> "تخلیق ایک الہامی اور روانی عمل ہے جس کے گزر جانے کے بعد نہ اس کا تجزیہ ممکن رہتا ہے نہ ہی اس کی اصل روح کو مکمل طور پر احیا کیا جا سکتا ہے۔ اس کی نوعیت کو سمجھنے کی کوششیں اکثر مبہم یا غلط تصورات تک محدود رہتی ہیں، جب کہ تخلیقی تجربے کی گہرائی اَن چُھوئی رہ جاتی ہے۔ ہمیں فن کو صرف نتائج کے بجائے فنکار کے داخلی جذبات اور اس کے "کیوں" کے تناظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔"(۱)

رولو میے نے "تخلیقی صلاحیت اور لاشعور" میں لکھا ہے:

> "ہر تخلیق کار کچھ مخصوص تعبیرات، اُس مشترکہ تجربے کو بیان کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے جو شعور کی سطح سے کہیں گہرائیوں —بلکہ تجربے کے لاشعوری پہلو یا ماخذ— سے جوں جوں گہرائی سے ابھرتے ہیں، یہی وہ بنیاد ہے جسے ہم تخلیقی صلاحیت کہہ سکتے ہیں۔"(۲)

ایک طرف ہمارے گرد و پیش ماحول اور ماحول میں ہونے والی تبدیلیوں کا واسطہ یا بالواسطہ اثر، خیال کو جنم دیتا ہے جس کے ایک کنارے پر تخلیق کار اور دوسرے پر تخلیق خود کا وجود کھوجنے، سوچنے اور سنوارنے کی کوشش میں سرگرداں دکھائی دیتی ہے۔ دوسری جانب حسیات کے مقابل رویے کا اظہار، تخلیق کار کا وصف ہوتا ہے جو کسی بھی صورتِ حال پر مثبت یا منفی رویے کو زبان و بیان کے قالب میں ڈھالنے کا ہنر جانتا ہے۔ تخلیق، طرزِ عمل یا ردِ عمل، دونوں صورتوں میں سماج و معاشرت روش اور اخلاقیات کا نفسیاتی، تہذیبی اور فکری مکالمہ اور مقالہ کی عملی صورت ہوتی ہے۔ سماجی جڑت اور نفسیاتی عکاسی، فکر شعور کی راہ بناتی ہے جو تخلیقیت کی کٹھالی کا محصول سمیٹ کر تہذیبی و ثقافتی شعور کی راہ ہموار کرنے کا قصد کرتی ہے۔ رِیت، رواج اور معاشرت، انفرادی و اجتماعی سماجی حسیات و حیثیات کی تربیت سے ایک فکری شعور کی

تربیت کا مرحلہ طے کرتے ہیں جہاں ثقافتی و تہذیبی شعور کی گرہیں کھلنے لگتی ہیں۔ عمران شاہد بھنڈر "کچھ فن اور تخلیق پر" میں رقم طراز ہیں:

> "فن اپنی تخلیقی سرشت میں سماجی انقلاب کا حامل ہوتا ہے۔ جب سماج کسی ایک رخ پر بہتا ہے، فنی تخلیقیت اُس کے برعکس سمت میں چلتی ہے — یہ اپنی تخلیقی حیثیت ہی سے سماج کو نئے افق کی طرف مائل کرتی ہے۔ آخر کار، یہی وہ مخالف سمت ہوتی ہے جس پر سماج خود بہنے لگتا ہے، فن کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے۔"(۳)

یہ ایک زندہ حقیقت ہے کہ ہم ایک کہانی میں ایک کہانی کار ہوتے ہیں۔ بے شک ہمارا سماج بڑے کینوس کی ایک کہانی کی قبول صورتی ہے جہاں فرد ایک ہی وقت میں کہانی کا کردار اور ایک ہی وقت میں کہانی کار بھی ہوتا ہے۔ یعنی کہانی، سماج کی کڑی ہے جو ہر بدلتے لمحے میں تخلیق سے گزرتی ہے البتہ کبھی تخلیق کار کہانی کا کشٹ سہتا ہُوا نظر آتا ہے اور کبھی کہانی تخلیق کار پر کشف کھولتی ہُوئی دکھائی دیتی ہے۔ بہر طور دونوں صورتوں میں تخلیقی عمل کا حظ، تخلیق، تخلیق کار اور قاری کے لیے موجود ہوتا ہے۔ تخلیقِ کائنات کے ساتھ جو پہلی شے توجہ اور کشش کا سبب بنی، وہ کہانی اور کہانی کار تھا۔ انسانی تخلیق کی پہلی خواہش پر اُتری خاموشی اور انہماک کی وجہ بھی کہانی بنتی ہے، یُوں فطری طور پر کہانی کی جڑت، انسانی رویوں میں شامل ایک غالب رویے جیسی ہے جو زمینوں، زمانوں کی مسافت و مسافرت سنبھالے کہانی در کہانی اور کہانی کار در کہانی کار منتقل ہوتی چلی جاتی ہے جس کا سفر ہنوز جاری بھی ہے اور باقی بھی ہے۔ یہ بھی حقیقت دکھائی دیتی ہے کہ جب انسان نے سننے، کہنے یا سہنے کے تجربے کی صورت گری کی کوشش کی ہو گی تو زبان و بیان کی کسی بھی صورت میں یقیناً کہانی کی پہلی صورت گھڑی ہو گی۔ پروفیسر ظہور الدین لکھتے ہیں:

> ”کہانی اس ادبی تخلیق کو کہتے ہیں جس میں واقعات، تجربات، حادثات، احساسات اور جذبات کو منظم انداز میں بیان کرنے کی سعی کی جاتی ہے۔ اس کا بنیادی مقصد قاری کو ایک مخصوص جذباتی کیفیت تک پہنچانا ہوتا ہے، جہاں وہ ان واقعات اور تجربات کو محسوس کرتے ہوئے ایک گہری مسرت اور داخلی تسکین حاصل کرے۔“(۴)

بے شک باطن میں جاگنے والے کردار کی اَن کہی کہانیوں کا ادراک تخلیق کا پہلا مرحلہ ہوتا ہے لیکن اِن اَن کہی کہانیوں کو سہنے اور کہنے کا عمل، دراصل تخلیقی عمل کہلاتا ہے جو ایک طرف برداشت کی اذیت سے نجات دلاتا ہے تو دوسری جانب کہانی کے زندہ وجود سے مکالمے کی صورت پیدا کرتا ہے۔ مایا اینجلو ایک جگہ لکھتا ہے:

> "ایک ان کہی کہانی کہنے کی اذیت سے بڑھ کر کوئی اذیت نہیں ہوتی۔"(۵)

کہانی کے تخلیقی عمل اور کہانی کار کے تخلیقی عمل کے مشقتی حظ بارے ارنسٹ ہیمنگوے لکھتا ہے:

"تخلیق کوئی کارِ سہل نہیں، بس قلم سنبھالو اور احساسات اور کیفیات کو اپنے لہو سے الفاظ میں ڈھال کر کاغذ پر منتقل کرنے لگو۔"(۶)

کہانی، تہذیب کی جڑت ہے اور کہانی کار کاغذوں پر سماج، معاشرے اور تہذیب کی کہانیاں نقش کرتا ہے۔ تہذیب کسی ملک، قوم یا معاشرے میں جنم لینے اور پھلنے پھولنے والے فکری شعور، فنونِ لطیفہ میں مہارت اور سلیقہ مندی، سیاسیات، نفسیات، زبان و بیان کی وسعت پذیری، ہمہ جہتی فلسفیانہ افکار و رجحانات، سماجی نظریات و معاملات، معاشرہ اور طرزِ معاشرت، اقدار، اخلاقیات، زمانی پھیلاؤ اور مادی ترقی کی منازل، اجتماعی زندگیوں میں توازن، انصاف اور بنیادی تقسیم کی ہم آہنگی ہوتی ہے جہاں طبقاتی تقسیم و ترتیب، مختلف سماج اور مختلف طبقات کے لیے متنوع المزاج ہو سکتی ہے البتہ مخصوص تہذیب و ثقافت کا وجود، فکر شعور اور تہذیبی شعور کا امتزاج و اختصاص رہتا ہے۔ کہانی، کہانی کار پر کس لمحے وار ہوتی ہے یا کب کہانی کار کہانی کے مقابل پہنچ کر تخلیقی عمل کا کشت شروع کرتا ہے، اِس کا ادراک پہلے پہل کہانی اور کہانی کار کو ہی ہوتا ہے جو بعد ازاں قاری پر اپنی تاثیر لیے پہنچ جاتا ہے۔ یہ کہنا بھی قدرے مشکل ہو گا کہ کہانی کی تشکیل سے پہلے کہانی کار زبان و بیان کی کن قدروں کے درمیان تخلیقی بنت کرتا ہے البتہ یہ واضح ہے کہ ایک زاویہ نگاہ پر کھلنے والے خیال کی روشنی میں ادراک کی منزل طے پاتی ہو گی اور کہانی کا سندر تا جوبن، سراپا جوبن کی تعبیر لیے حاضر ہوتا ہو گا۔ ہاں! کہانی کے سندر تا جوبن بھرنے تک کا تخلیقی عمل فکری شعور و آگہی کی تختی پر بنیادی خیال و خاکہ، کہانی بڑھانے والے کردار، زمان و مکان کی ترتیب، تنازعہ اور تعارض، کہانی کا پلاٹ اور پلاٹ ڈایاگرام جس میں کہانی کا آغاز، کہانی کا پھیلاؤ، کلائمکس، کہانی کا گھٹاؤ اور نتیجہ، کہانی کی ہم آہنگی اور باہمی جڑت، مقصدیت، زبان و بیان اور ایک مضبوط و مربوط کہانی کی ترتیب و تقسیم درج ہوتی ہے۔ یہاں ایک بات واضح ہو جانی چاہیے کہ کہانی اپنے حسنِ ترتیب کے ساتھ وار ہوتی ہے اور کبھی کبھار کہانی کار کا حسنِ ترتیب بھی کہانی کی سمت سفر کی ایک کڑی ہوتی ہے۔

کہانی کی پہلی شکل قصہ اور تبدیلی مدارج کے سفر کی پہلی سیڑھی داستان کہی جاتی ہے۔ کہانی اور قصہ گوئی کا معاملہ انسانی تخلیق اور ترویج جتنا قدیم دکھائی دیتا ہے یہاں تک کہ اول اول کہانی اور قصے کی شروعات کو یونانی اور قدیم مصری تاریک سے کشید کیا جاتا ہے۔ فنِ داستان گوئی نے جہاں کہانی کے انداز و اطوار میں پہلی اصلاح متعارف کروائی وہاں کہانی کے ارتقائی مراحل کی داغ بیل بھی رکھی جس نے آگے چل کر نثری اصنافِ سخن میں اپنی اپنی الگ پہچان متعارف کروائی۔ مصری سرزمین کے ساتھ ساتھ قصہ، داستان اور کہانی کی دوسری بڑی جنم بھومی، ہندوستانی زمین کو سمجھا جاتا ہے جہاں قدیم ہندی ویدی ادب میں کئی کہانیاں مل جاتی ہیں۔ البتہ! باقاعدہ داستان گوئی کے مکمل لوازمات کا حامل ادبی شاہ پارہ ملا وجہی کا 'سب

رس'مانا جاتا ہے جب کہ دیگر اہم داستانوں میں قصہ گل وہرمز، داستان امیر، توتا کہانی، سنگھاسن ابتدائی ادوار کی کامیاب کہانیوں کی شکل سمجھی جاتی ہیں۔ کہانی، قصے اور داستان کے دور سے باہر نکلی تو ناول اور افسانہ کی صورت نئی روایت کا دامن پھیلا رہی تھی۔ کہانی کے بدلاؤ اور سفر بارے ڈاکٹر مرزا حامد بیگ لکھتے ہیں:

> "اردو ادب میں تذکروں کی جگہ تنقید نے لے لی، داستان اور تمثیل کے بجائے ناول کا رواج ہوا، رہس اور نوٹنکی کی جگہ ڈرامہ آیا، اور کہانی جدید روپ میں افسانہ بن گئی۔ یوں، عالمی ادب کے ساتھ ہم آہنگ ہونے کا خواب پہلی بار حقیقت کا عکس دکھانے لگا۔"(۷)

انیسویں صدی نے ہندوستانی سرزمین پر مغربی فکر و فن کا تعارف کرایا اور ایک نئی کہانی کے دروازے کو کھولا، جسے مختصر کہانی یا افسانہ کہا گیا۔ افسانے کا ابتدائی دور روایتی کہانی سے متاثر تھا، جس نے افسانوی ادب میں حقیقت پسندی اور جدید اسلوب کی بنیاد رکھی۔ ڈاکٹر وزیر آغا نے افسانوی ادب کے ادوار میں دو زاویہ فکر کا تذکرہ یُوں کیا ہے:

> "اردو افسانے میں ایک زاویہ ارضی رجحان کا حامل ہے جو زندگی کے مظاہر کو قریب سے دیکھتا ہے، جب کہ دوسرا زاویہ تخیلی رجحان کا ہے جو وسیع نظر سے پورے ماحول کو اجاگر کرتا ہے۔"(۸)

اردو افسانے کے پہلے دور نے داستان کے دامن سے جنم لیا تھا یہی وجہ تھی کہ یہاں تخیلی میلان کی تاثیر نمایاں ہُوئی اور حقیقت نگاری قدرے غیر محسوس دبی دبی رہی، اگرچہ کہانی کار نے قصے، داستان اور افسانے میں سماج سے تاثیر کشید کی لیکن اظہار کا دامن محدود اور انداز کا طریقہ الگ رکھا۔ افسانوی ادب کے دوسرے دور نے معاشرتی تبدیلیوں کا اثر قبول کیا، ایک عالمی جنگ اگرچہ ملکی سرحدوں سے دور سہی لیکن بالواسطہ دیکھ ہی لی تھی اور دوسری کی تیاری زور پکڑتی جا رہی تھی، اقتصادی کشمکش نے زیر وزبر کی تفہیم بدلی تو کئی کہانیاں سر اٹھانے لگیں جس نے افسانوی ادب میں ایک نئی تحریک اور رجحان کو فروغ دیا اور حقیقت نگاری کا بیانیہ لیے کردار سامنے آ گئے۔ افسانوی ادب کا تیسرے دور نے پاک و ہند کی تقسیم کے درمیان انگڑائی نے معاشرتی، نفسیاتی اور سماجی حقیقتوں کو کہانیوں اور کرداروں کے حوالے کر دیا۔ افسانوی ادب کے اگلے دور نے پابندیوں کے بیچ راستہ بنایا اور تجریدی و علامتی افسانوی ادب تخلیق کیا۔

"صحیفہ" میں مغربی افسانوں کے عمدہ تراجم شامل ہوئے جن میں آٹھویں شمارے میں شائع ہونے والی ایک اہم کہانی، چیخوف کی مختصر کہانی کا اردو ترجمہ ہے جو "بدنصیب" کے نام سے ہوا اور معروف مترجم سید سجاد باقر رضوی نے کیا۔ "بدنصیب" میں انسان کی تقدیر، اس کے فیصلے اور اس کے حالات سے جوجھنے کی کہانی بیان کی گئی ہے، جہاں مرکزی کردار کی زندگی کی مشکلات اور اس کی مایوسی کو انتہائی حقیقت پسندانہ انداز میں دکھایا گیا ہے۔ سید سجاد باقر رضوی نے اس کہانی کا اردو ترجمہ اس خوبصورتی سے کیا کہ نہ صرف

اس کی معنویت اور گہرائی کو برقرار رکھا بلکہ اردو کے قارئین کو چیخوف کی تحریر کی سادگی اور حقیقت پسندی کا مکمل تاثر بھی فراہم کیا۔ مترجم نے اس کہانی کے ترجمے کے ذریعے چیخوف کے فلسفیانہ سوالات اور انسان کے اندر کی پیچیدگیاں اردو زبان میں اس طرح منتقل کیں کہ اس کہانی کا اصل پیغام اردو کے قارئین تک بخوبی پہنچ سکا۔ نویں شمارے میں ، مس گاسکل کی مختصر کہانی کا اردو ترجمہ "دوسری شادی" کے نام سے شامل ہوا، جسے سید سجاد باقر رضوی نے اردو میں منتقل کیا۔ "دوسری شادی" میں انسانی جذبات، رشتہ داریوں کی پیچیدگیاں اور ازدواجی تعلقات کی نفسیات کو بہت ہی گہرائی سے بیان کیا گیا ہے۔ یہ کہانی ایک عورت کی دوسری شادی کے پس منظر میں اُس کی ذاتی زندگی، سماجی توقعات اور اندرونی کشمکش کو اجاگر کرتی ہے۔ سید سجاد باقر رضوی نے اس کہانی کا اردو ترجمہ اس مہارت سے کیا کہ اس کے نفسیاتی اور جذباتی پہلو اردو قارئین کے لیے بالکل واضح ہو گئے۔ "دوسری شادی" میں گاسکل نے ایک عورت کے جذباتی انتشار اور اس کے فیصلوں کی پیچیدگی کو اس طرح بیان کیا کہ یہ کہانی اردو کے قارئین کے لیے نہ صرف ایک دل چسپ مطالعہ بن گئی بلکہ اس میں چھپے سماجی اور ثقافتی سوالات نے بھی ایک نئی بحث کو جنم دیا۔

"صحیفہ" کے دسویں شمارے میں موپساں کی مختصر کہانی کا اردو ترجمہ "درگزر" کا کے نام سے شامل ہوا، جسے مترجم منوچہر سید نے منتقل کیا۔ "درگزر" میں انسان کی اخلاقی اقدار، فطری خواہشات اور زندگی کی تلخ حقیقتوں کو انتہائی سلیقے سے بیان کیا گیا ہے۔ یہ کہانی ایک شخص کی اندرونی کشمکش اور اس کے فیصلوں کے اثرات کو اجاگر کرتی ہے، جہاں وہ اپنے کیے گئے عمل کے نتیجے میں پریشانی اور پشیمانی کا سامنا کرتا ہے۔ منوچہر سید نے اس کہانی کا اردو ترجمہ اس خوبی سے کیا کہ نہ صرف اس کی سادگی اور حقیقت پسندی کو برقرار رکھا، بلکہ اس کے گہرے اخلاقی اور نفسیاتی پہلوؤں کو اردو قارئین تک مؤثر طریقے سے پہنچایا۔ "درگزر" میں انسان کی فطری کمزوریوں اور اس کے اندر کی خواہشات کے تصادم کو اس انداز میں پیش کیا کہ یہ کہانی ایک سبق آموز تجربہ بن گئی۔ منوچہر سید کے ترجمے نے اس کہانی کو اردو ادب میں نئی زندگی دی اور اس کی اصل روح کو اردو کے قاری کے لیے قابلِ فہم بنایا۔

"صحیفہ" کے تیرہویں شمارے میں شائع ہونے والی ایک اہم کہانی، عبدالغفار چودھری کی مختصر کہانی "ماس کٹال" کا اردو ترجمہ ہے، جسے معروف مترجم سید احمد سعدی نے کیا۔ کہانی میں انسان کی داخلی جنگ، اس کی اخلاقی گراوٹ اور سماجی ناانصافیوں کا اظہار یہ ہے۔ یہ کہانی ایک ایسے قتل کی تفصیلات پر روشنی ڈالتی ہے جو ایک معمولی حادثے کی طرح شروع ہو کر انسان کی اخلاقی حدود کو پار کر جاتا ہے۔ سید احمد سعدی نے اس کہانی کا اردو ترجمہ اس مہارت سے کیا کہ اس کے پیچیدہ موضوعات اور کرداروں کی نفسیات اردو قارئین تک بخوبی پہنچ پائیں۔ "صحیفہ" کے چودھویں شمارے میں ارنسٹ ہیمنگوے کی مختصر کہانی کا ترجمہ

"دیارِ غیر" کے نام سے شائع ہوا، جسے عنایت اللہ ملک نے اردو میں منتقل کیا۔ "دیارِ غیر" میں ایک فرد کے اندر کی تنہائی، اس کی ثقافتی جڑوں سے تعلق کی کمی اور اس کے غیر ملکی ماحول میں محسوس ہونے والی بے چینی کو بڑی مہارت سے بیان کیا گیا ہے۔ کہانی میں عالمی موضوعات جیسے شناخت، بیرونِ وطن ہونے کی کیفیت اور فرد کی داخلی کشمکش کو گہرائی سے پیش کیا گیا ہے۔ اس کہانی نے نہ صرف ہیمنگوے کے اسلوب کی خوبصورتی کو اردو میں محفوظ کیا بلکہ اس کی انسانی تعلقات کی پیچیدگیاں بھی اردو کے قاری کے سامنے رکھی ہیں۔ اسی شمارے میں اناطول فرانس کی مختصر کہانی کا ترجمہ "خیابان ایقبور" کے نام سے معروف مترجم شیر محمد اختر نے کیا۔ کہانی میں انسان کی ذہنی کشمکش، سماجی حقیقتوں سے موازنہ اور اخلاقی سوالات کو انتہائی نرمی اور ذہانت سے پیش کیا گیا ہے۔ یہ کہانی ایک خیالی منظر نامے میں انسان کی زندگی کی بے معنویت اور اس کی کوششوں کا دکھ بیان کرتی ہے، جہاں مرکزی کردار اپنی سماجی ذمہ داریوں اور ذاتی خیالات کے درمیان متضاد جذبات میں گھرا ہوتا ہے۔ شیر محمد اختر نے اس کہانی کا اردو ترجمہ اس طرح کیا کہ اس کی گہرائی اور پیچیدگی کو اردو کے قارئین تک پہنچایا جاسکے، اور اس کے فلسفیانہ پہلوؤں کو اسی شدت اور اثر کے ساتھ منتقل کیا جیسے اصل کہانی میں تھا۔

"صحیفہ" شائع ہونے والی کہانیاں، جن کا اردو ترجمہ مختلف معتبر مترجمین نے کیا، نے عالمی ادب کے مختلف پہلوؤں کو اردو کے قارئین تک پہنچانے میں ایک اہم اور مؤثر کردار ادا کیا ہے۔ ان کہانیوں نے نہ صرف اردو ادب کو عالمی ادب کے معیار سے ہم آہنگ کیا، بلکہ اردو کے قاری کو مختلف ثقافتوں، سماجی حقیقتوں اور نفسیاتی تجربات کے بارے میں ایک نیا اور منفرد زاویہ فراہم کیا۔ یہ ترجمے نہ صرف اردو کے قارئین کے لیے عالمی ادب کی پیچیدگیوں اور اس کی گہرائیوں کو سمجھنے کا ذریعہ بنے بلکہ انہوں نے ان کہانیوں میں چھپے فلسفیانہ سوالات، اخلاقی رویے اور سماجی تنقید کو بھی اُجاگر کیا۔ ان ترجموں میں مصنفین کی تخلیقی صلاحیتوں اور فنی اسلوب کا اردو زبان میں صحیح طور پر انعکاس ہوا، جس سے اردو ادب میں عالمی ادب کے تنوع اور پیچیدگیوں کو سراہا گیا۔ "صحیفہ" کے ذریعے عالمی ادب کو اردو ادب میں شامل کرنا ایک اہم ادبی کاوش ہے جس نے اردو ادب کو مزید وسیع اور متنوع بنایا۔ ان ترجموں نے یہ ثابت کیا کہ ادب کی زبان اور اسلوب کا ترجمہ نہ صرف زبان کے دائرے کو پھیلانے کا باعث بنتا ہے بلکہ اس سے انسانی تجربات کی مختلف جہتوں کا بھی ادراک ہوتا ہے۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) راحیل فاروق، تخلیقِ فن: ایک نامیاتی نظریہ، (اردو گاہ۔ برقی بیاض، ۲۰۱۷ء)، ۱-۵۔

(2) Rollo May, *The Courage to Create*, (New York, W.W. Norton & Company, Inc.1994,) 40.

(۳) عمران شاہد بھنڈر، کچھ فن اور تخلیق پر، اسلام آباد، ایک روزن ویب سائٹ، ۲۰۲۱ء، https://www.aikrozan.com

(۴) پروفیسر ظہور الدین، جموں و کشمیر میں اردو افسانہ، (چنائی۔ انڈیا: والنٹ پبلیکیشنز، ۲۰۲۱ء)، ۱۔

(5) Maya Angelou, *The Secret of Creating Viral Content*, (Canada: Met Cogle Publishers, 2018),3.

(6) Ernest Hemingway, *Story Without End, Bloomington*, (USA: Author House Publishers, 2013) p173.

(۷) ڈاکٹر مرزا حامد بیگ، ترجمے کا فن، (دہلی: کتابی دنیا پبلشرز، ۲۰۰۵ء)، ۲۸۔

(۸) ڈاکٹر آغا وزیر، تنقید اور احتساب، (لاہور: جدید ناشرین پبلشرز، ۱۹۶۸ء)، ۱۶۵۔

REFERENCES

1. Raheel Farooq, *Takhleeq-e-Fan: Aik Namiati Nazriya*, (Urdu Gah. Barqi Bayaz, 2017), 1-5.
2. Rollo May, *The Courage to Create*, (New York, W.W. Norton & Company, Inc., 1994), 40.
3. Imran Shahid Bhundar, *Kuch Fan Aur Takhleeq Par*, (Islamabad: Aik Rozan Website, 2021, https://www.aikrozan.com
4. Prof. Zahoor Al-Din, *Jammu Aur Kashmir Mein Urdu Afsana*, (Chennai, India: Walnut Publications, 2021),1.
5. Maya Angelou, *The Secret of Creating Viral Content*, (Canada: Met Cogle Publishers, 2018), 3.
6. Ernest Hemingway, *Story Without End, Bloomington*, (USA, Author House Publishers, 2013), 173.
7. Dr. Mirza Hamid Baig, *Tarjumay ka Fan*, (Delhi: Kitabi Dunia Publishers, 2005),28.
8. Dr. Wazir Agha, *Tanqeed Aur Ihtisab*, (Lahore: Jadeed Nashreen Publishers, 1968), 165.

❖❖❖